

ہمارے نظام کی خرابی اور اس سے نجات کی تدابیر!

مفتی منیب الرحمٰن



(حصہ دوم)

حکومت ایک طرف انتظامی اخراجات کو کم کرنے اور سیکرٹریٹ کے تحت ڈویژنوں کی تعداد کم کرنے کے دعوے کر رہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ نئے اداروں کے قیام کا سلسلہ بھی جاری ہے، یہ تضاد ناقابلِ فہم ہے۔ **امریکی صدر ٹرمپ نے اپنے موجودہ صدارتی دورانیے کے آغاز ہی میں اپنے کاروباری دوست اور مالی نوازشات کرنے والے امیر ترین شخص ایلون مَسک کو اپنا مشیر مقرر کیا تاکہ حکومت کے انتظامی اخراجات کو کم سے کم کیا جائے**، انھوں نے کافی حد تک چھانٹی بھی کی، ہمارے ہاں اس چھانٹی کو ڈاؤن سائزنگ اور رائٹ سائزنگ کا نام دیا جاتا ہے۔ پھر ان کی دوستی کو نظر لگ گئی، پنجابی کا ایک شعر ہے: ''لائی بے قدراں نال یاری/ تے ٹُٹ گئی تڑک کر کے''۔ پس ان کی دوستی بھی زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی۔ ٹرمپ چونکہ کاروباری شخص ہیں، اس لیے وہ بین الممالک تعلقات کو بھی ڈیل کا نام دیتے ہیں، ڈیل کاروباری لین دین کو کہتے ہیں، پس اُن کے نزدیک امورِ مملکت بھی کاروبار ہے اور اُسے وہ نفع ونقصان کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ وہ دوسرے ممالک کو دباؤ میں لانے کے لیے کسٹم ڈیوٹی یعنی درآمدی محصولات میں اضافے کر رہے ہیں کہ اس سے اُن کے ریاستی مالی وسائل میں اضافہ ہوگا، حالانکہ امریکہ کی سرپرستی ہی میں ''عالمی تنظیمِ تجارت (WTO)'' بنایا گیا تھا، اُس کا مقصد کسٹم ڈیوٹی یعنی داخلی محصولات کو ختم کرنا تھا تاکہ صنعتی پیداوار کی دوسرے ممالک کی منڈیوں تک رسائی آسان ہو۔ مگر صدر ٹرمپ سیماب صفت اور متلوّن مزاج شخصیت ہیں، ان کے مزاج میں ٹھیراؤ نہیں ہے، فیصلے بدلتے رہتے ہیں۔

ہم معاشی ماہر نہیں ہیں، لیکن اگر داخلی محصولات میں اضافہ کیا جائے گا تو حکومت کو ٹیکسوں کی صورت میں اضافی آمدنی یقیناً مل جائے گی، مگر اس کا مالی بوجھ اُس ملک کے صارفین پر پڑے گا۔ پس ہم منتظر ہیں کہ امریکہ میں اس کا ردِّعمل کیا آتا ہے، آیا اسے امریکی عوام میں پزیرائی ملے گی اور وہ اس بوجھ کو بخوشی قبول کرلیں گے یا مزاحمت کریں گے۔ ہمارے ہاں وزیروں کو کھپانے کے لیے پرائمری تعلیم کے لیے ایک وزیر اور ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کے لیے دوسرا وزیر مقرر کیا جاتا ہے، حالانکہ تعلیمی نظام میں وزیروں کا کوئی خاص عمل دخل نہیں ہوتا، کیونکہ تعلیمی نصاب، اداروں کا الحاق، امتحانات کا انعقاد اور سندات کا اجراء تعلیمی بورڈوں اور یونیورسٹیوں کا کام ہوتا ہے، وزارت کا اس سے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا۔ اسی طرح مغربی ممالک میں وزیرِ اطلاعات نام کا کوئی عہدہ نہیں ہوتا، کیونکہ ہر وزارت اپنی پالیسی اپنے ترجمان، ہینڈ آؤٹ، پریس ریلیز یا پریس کانفرنس وغیرہ کے ذریعے عوام تک پہنچاتی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں وزارتِ اطلاعات بھی ایک پرکشش عہدہ ہے، کیونکہ



زاویہ نظر
مفتی منیب الرحمٰن
muftinaeemia@yahoo.com



ہمارے نظام کی خرابی اوراس سے نجات کی تدابیر!



وزیرِ اطلاعات کو دوسرے وزراء کے مقابلے میں رونمائی کا موقع زیادہ ملتا ہے۔ پیپلز پارٹی کے گزشتہ دور میں رحمان ملک صاحب وزیرِ داخلہ تھے اور ان کے میڈیا کے نمائندوں کے ساتھ تعلقات بڑے خوش گوار تھے، کیونکہ بندگانِ اغراض کو وزیرِ داخلہ سے اکثر واسطہ پڑتا ہے۔ ملک صاحب کو اسلام آباد سے کراچی آنا ہوتا تو ایک میڈیا ٹاک اسلام آباد ائیر پورٹ پر کرتے اور دوسری کراچی ائیر پورٹ پہنچنے کے بعد، اسی لیے ایک بار اُس وقت کے وزیرِ اعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی نے کہا تھا: ''ملک صاحب! ہم بھی آپ کے برابر میں کھڑے ہوجاتے ہیں، آپ کی برکت سے ہماری تصویر بھی میڈیا پر آجائے گی''، یہ کہنا تو طنزاً تھا، لیکن حقیقت پر مبنی تھا۔

یہی صورتِ حال وفاقی حکومت کی ہے، بلاشبہ وزیرِ اعظم شہباز شریف اکثر مصروف، فعال اور متحرک نظر آتے ہیں، لیکن عوام کے لیے کوئی ریلیف فراہم کرنے کے بجائے اُن کی مشکلات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ حکومتی معاملات پر اُن کی گرفت مضبوط نہیں ہے اور بڑے صنعت کار، سرمایہ دار اور تاجر حکومت کی پالیسیوں کو ناکام بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں سے گندم اور چینی کی درآمد و برآمد کے پیچھے الف لیلیٰ جیسی کہانیاں، شبہات اور بدگمانیاں ہیں، لیکن حکومت کا کوئی ذمے دار سامنے آکر پوزیشن واضح کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ حکومت مہنگائی کی شرح میں کمی کی نوید سناتی رہتی ہے، یہ اچھی بات ہے کہ مہنگائی کی شرح سنگل ڈیجٹ میں آگئی ہے، لیکن اس میں بھی ایک فنکاری ہے۔ حکومت اپنے آج اور کل کا تقابل کرتی ہے، حالانکہ اصل تقابل یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے جب اقتدار سنبھالا تھا تو اُس وقت اشیائے صَرف کے دام کیا تھے اور آج کیا ہیں، اس تقابل سے صحیح تصویر سامنے آئے گی، محض اعداد و شمار کے گورکھ دھندے سے عوام کی تسکین نہیں ہوگی، کیونکہ وہ تو روزانہ کی بنیاد پر مہنگائی کو بھگت رہے ہیں۔

ان ساری مشکلات کا سبب یہ ہے کہ ہمارے ملک میں بالواسطہ ٹیکسوں کی بھرمار ہے، 16 جولائی تک ایک لیٹر پٹرول پر ٹیکس 78 روپے ہے، یہ طالبِ علم، مزدور، اخبار فروش، بائیکیا چلانے والے، ٹیکسی یا پرائیویٹ کار چلانے والے، پبلک ٹرانسپورٹ حتیٰ کہ ماچس کی ڈبیا لینے والے سمیت سب کو دینا پڑتا ہے۔ اسی طرح پاکستان میں اشیائے صَرف پر سیلز ٹیکس کی شرح 18 فیصد ہے اور یہ بوجھ صنعت کار، سرمایہ دار اور تاجر پر نہیں پڑتا، بلکہ عام آدمی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ ٹیلی فون، بجلی، گیس، موبائل وغیرہ سب پر عام آدمی کو ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ آئی ایم ایف کا اصل مطالبہ یہ ہے کہ متموّل طبقات، بڑے بڑے صنعت کاروں، سرمایہ داروں، تاجروں اور جاگیرداروں پر ان کی اصل آمدنی پر براہِ راست ٹیکس عائد کیے جائیں، مگر حکومت ان کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ پس دعوے بڑے کیے جاتے ہیں، مگر ہر حکومت یہ بھاری پتھر چوم کر



زاویۂ نظر
مفتی منیب الرحمٰن
muftinaeemia@yahoo.com



ہمارے نظام کی خرابی اور اس سے نجات کی تدابیر!

رکھ دیتی ہے، نیز ہر دور میں حزبِ اختلاف والے ریاست اور ملک کے دیرپا مفاد کے ساتھ کھڑے ہونے اور عوام کو حقائق سے آشنا کرنے کے بجائے مقبولِ عام بیانات دیتے ہیں، نعرے لگاتے ہیں اور حکومتِ وقت کی جانب سے نظامِ معیشت میں کوئی دیرپا جوہری تبدیلی لانے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

امریکہ اور مغربی ممالک میں ہم نے دیکھا ہے کہ تمام تر مہنگائی کے باوجود وہاں کی حکومتیں بنیادی ضرورت کی اشیاء کو حتی الامکان عوام کی پہنچ میں رکھتی ہیں، یوکرین اور شرقِ اوسط کی جنگ کی وجہ سے مہنگائی عالمی سطح پر یقیناً بڑھی ہے، لیکن ان ممالک میں یہ عوام کی قوتِ برداشت سے باہر نہیں ہوتی۔ اس لیے وہاں ہماری طرح بڑے پیمانے پر کوئی ردِّعمل یا بے چینی پیدا نہیں ہوتی۔ امریکہ اپنے نیٹو اتحادیوں پر دفاعی بجٹ میں اضافے کے لیے دباؤ ڈالتا رہتا ہے، اگر وہ امریکہ کی فرمائش پر غیر معمولی اضافہ کریں تو انھیں اپنے فلاحی اور سماجی بہبود کے نظام کو محدود کرنا پڑے گا، اس سے عوام میں ردِّعمل پیدا ہوگا، اس لیے وہ حکومتیں دفاعی بجٹ میں حالات کی مجبوری کے تحت اضافہ بھی کرتی ہیں تو انتہائی سست رفتاری سے، اپنی جی ڈی پی کے دو تین فیصد سے آگے نہیں جاتیں۔

ہمارے ملک کے مسائل کا حل یہ ہے کہ حکومت اور حزبِ اختلاف دونوں مل کر عوام کو حقیقتِ حال سے آگاہ کریں، انھیں خوش نما اور پُرفریب نعروں سے گمراہ نہ کریں، نیز بیس سال کے لیے قلیل المدت اور طویل المدت معاشی پالیسی بنائیں اور سب اس کی ذمے داری قبول کریں، حکومت کی تبدیلی سے پالیسی تبدیل نہ ہو۔ اگر ہم اس شعار کو اپنا لیں، تو فوری طور پر تو نہیں، مگر اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ دس بیس سال کے اندر ہم اپنے قرضوں کے بے انتہا بوجھ سے کافی حد تک چھٹکارا پالیں گے، اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلائیں گے اور لوگ حقائق کو قبول کرنے کے عادی ہوجائیں گے، محنت کریں گے اور صلہ پائیں گے۔ نیز چھوٹی اور درمیانی درجے کی صنعتوں کا جال پھیلایا جائے اور ان میں اعلیٰ معیار کی ایسی مصنوعات تیار کی جائیں جو برآمدی مقاصد کے لیے ہوں، ہمارا زرِمبادلہ کا توازنِ ادائیگی جو انتہائی غیر متوازن ہے، امید ہے کہ وہ بھی قابو میں آجائے گا۔ الحمدللہ علیٰ احسانہٖ! پاکستان میں امکانی استعداد بہت ہے، ہمارے لوگ ذہین ہیں، محنت کش ہیں اور یہی لوگ بیرونِ ملک جاکر اعلیٰ کارکردگی دکھاتے ہیں، خلاصۂ کلام یہ کہ ترقی کے لیے قانون کی حکمرانی لازم ہے۔

روزنامہ دنیا، بروز ہفتہ 19 جولائی 2025ء





زاویۂ نظر

مفتی منیب الرحمٰن
muftinaeemia@yahoo.com